© rasailojaraid.com

تجلی التنزیل

ایک تحقیقی مطالعہ

محمد سعود عالم قاسمی

مولانا ناصر الدین منصور علی ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۳۷ھ کو بروز شنبہ ناگپور میں پیدا ہوئے[۱] آپ کا لقب امام المناظر اور کنیت ابو المنصور تھی[۲]۔ آپ کے والد مولوی محمد علی ناظر ناگپور کی ریزیڈنسی میں میر منشی تھے اور بعد میں نواب صدیق علی خاں والی بھوپال کے معتمد اعلی بنے[۳]۔ آپ کے جد اعلی قاضی القضاۃ سید عبد الغفور سکت پور کے قاضی تھے۔ ان کا قدیم وطن مضافات قنوج کا قصبہ سید آباد تھا[۵]۔ آپ کا سلسلۂ نصب حضرت جعفر صادقؒ سے ملتا ہے۔ چنانچہ آپ کا پورا خاندان سوائے آپ کے گھرانہ کے شیعہ تھا۔ شاید اسی قرابت کی بنا پر آپ پنے والد اور دادا سید فاروق علی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد سات سال تک لکھنؤ میں اہل تشیع کی صحبت میں رہے اور کتابوں کا مطالعہ کیا۔ مگر آپ نے اہل تشیع کے اثرات قبول نہیں کئے بلکہ ان کے عقائد و افکار پر تنقید کی۔ کبھی ملازمت نہ کی البتہ کچھ دنوں نواب جہاں گیر محمد خاں رئیس بھوپال کی مصاحبت میں رہے[۶]۔ وہ مولانا شاہ رحیم بخش نقش بندی جانشین حضرت شاہ غلام علی صاحب سے بیعت تھے اور ان کی شادی مشہور عالم دین محمد مہدی نزیل کانپور کی صاحب زادی سے ہوئی[۸]۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے دنوں میں اپنے عزیزوں سے کبیدہ خاطر ہو کر دہلی کا رخ کیا اور اس سفر میں آپ کی اہلیہ اور دونوں بچوں کو دہلی پیدل آنا پڑا۔ دونوں لڑکے سید نصرت علی (م ۱۹۳۲ء) اور مولوی سید ناصر علی (م ۱۹۳۳ء) دہلی کے مشہور عالم اور ادیب شمار ہوئے[۹]۔ مولانا ناصر الدین نے دہلی میں سکونت اختیار کر لی جہاں آپ کا قیام فراش خانہ میں میر مداری کی گلی کے قریب تھا۔ ۱۸۶۶ء میں کچھ دن الہ آباد میں رہے[۱۰]۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد سات سال اہل کتاب کے درمیان اس طرح بسر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئے کہ بجز مداولت اہل کتاب کوئی دوسرا شغل نہ تھا۔ اسی دوران انھوں نے انجیل کی تعلیم پادری جے۔ ایل اسکاٹ، مفسر انجیل سے حاصل کی اور ۱۸۶۴ء میں سند لیاقت سے نوازے گئے[۱۱]۔ مولانا کو عربی و فارسی زبانوں کے علاوہ ہندی، انگریزی اور رومن سے واقفیت تھی بلکہ بقول مولانا بشیرالدین "فارسی میں ایسی مہارت تھی جیسے کوئی اہل زبان ہوتا ہے"[۱۲]۔

دعوت و تبلیغ اور مناظرہ

مولانا ناصرالدین کو جو عہد اور ماحول ملا وہ مسلمانوں کے لئے انتہائی صبر آزما اور پر آشوب تھا مغل سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھا، ۱۸۵۷ء کی بغاوت ناکامی پر منتج ہو چکی تھی، کل کے حاکم آج کے محکوم تھے، ہر طرف مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا، املاک و جائیداد لوٹی جا رہی تھیں برطانیہ سے پادریوں کا غول تبلیغ مسیحیت کے لئے ہندوستان پہونچ رہا تھا اور محکوم مسلمانوں کو مسیحی بنانے کی جدوجہد ہر سطح پر جاری تھی، مسلمانوں میں اضمحلال و مایوسی کے ساتھ فتنہ ارتداد رونما ہو رہا تھا اس عہد اور اس ماحول میں مولانا ناصرالدین نے اسلام کی حفاظت اور اشاعت اور باطل کی مخالفت اور تردید کے میدان میں نمایاں خدمت انجام دی۔ ۱۸۹۹ء میں الہ آباد میں پادریوں بالخصوص پادری ڈیوڈ سے دو روزہ مناظرہ کیا اور اسے شکست دی[۱۳]۔ اسی طرح مئی ۱۸۷۶ء میں چاندا پور ضلع شاہجہاں پور کے میلہ خدا شناسی میں پادری لوئیس کو شکست دینے میں جو علماء شریک تھے ان میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا ابوالمنصور سر فہرست تھے[۱۴]۔ اس مناظرہ میں مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا ناصرالدین کی تقریریں لاجواب تھیں[۱۵]۔ مولانا ناصرالدین ردعیسائیت اور تبلیغ اسلام میں ۲۷ سال کی عمر سے سرگرم ہوئے[۱۶]۔

آپ نے عیسائی حضرات سے مناظرہ اور مقابلہ کے لیے اور واعظین کی اصلاح و تربیت کے لئے "دارالامامت" قائم کیا۔ اس میں واعظین کے تین طبقے ہوتے تھے اول دوم اور سوم تینوں درجات کی مناسبت سے خطاب اور سند سے نوازا جاتا تھا، اس ادارہ کے سربراہ مولانا ناصرالدین خود تھے[۱۷]۔ مولانا امداد صابری نے تینوں درجات کے سند یافتہ حضرات میں سے بعض کے اسماء گرامی نقل کئے ہیں[۱۸]۔

تیسری طرف مولانا ابوالمنصور نے عیسائیت کی طرف سے اسلام پر کئے گئے حملوں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب دینے اور عیسائیت کا بطلان ثابت کرنے کے لئے کتابیں اور رسالے رقم کئے، عیسائیت کے اصل ماخذ تک ان کی رسائی تھی اور عیسائیت کی تاریخ و کتب مقدسہ کا وہ مطالعہ کر چکے تھے بلکہ ان میں امہات کتب کو سبقاً سبقاً پڑھا بھی تھا۔[19] اس لئے عیسائیت کا رد اور اسلام کا دفاع دوسرے علماء اسلام کے مقابلہ میں ان کے لئے زیادہ آسان تھا۔ چنانچہ بقول مولانا بشیرالدین دہلوی "آپ کی تصانیف صرف رد نصاریٰ میں سو سے کم نہ ہوں گی آپ کی کسی کتاب کا جواب عیسائی نہ دے سکے، بارہا پادریوں نے جمع ہو کر جواب لکھنا چاہا مگر عاجز آگئے"۔[20]

عیسائیت کے حملے جب مسلمانوں پر شدید ہونے لگے اور مسلمانوں کو اپنی نسل کے گمراہ ہونے کا خطرہ پیدا تو دہلی کے غیرت مند مسلمانوں نے انجمن اسلامیہ دہلی کی بنیاد ڈالی جس کے ماتحت ایک مدرسہ بھی تھا اور اس کے مدرس مولانا محمد شاہ تھے، اس انجمن کے میر مجلس مولانا ناصرالدین ہی تھے۔ مولانا ابوالمنصور انجمن کے ہفت روزہ پروگرام میں دعوت و تبلیغ اور رد نصاریٰ کے موضوعات پر خطاب فرماتے تھے یا مقالہ پیش کرتے تھے چنانچہ ۲ اپریل ۱۸۷۶ء کو فضیلت دعوتِ اسلام پر آپ نے جو مقالہ پڑھا وہ بے حد موثر تھا۔[21] مولانا ناصرالدین خاص طور پر ان حضرات کے تجدید ایمان میں دلچسپی لیتے تھے جو عیسائی مبلغوں کے چنگل میں پھنس کر مرتد ہو جاتے تھے۔[22]

مولانا کا وعظ بڑا موثر ہوتا تھا چودہویں صدی کے آغاز پر مولانا نے چاندنی چوک پر نہایت پر اثر وعظ کہا۔ مگر اس کے بعد وہ تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے اور پھر کبھی وعظ نہ کہا۔[23] خانوادہ ولی اللّٰہی سے آپ کو بہت عقیدت تھی شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کے افادات کو عزت کے ساتھ اپنی کتابوں میں بالخصوص تفسیر میں جگہ دی ہے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ سے بڑی عقیدت تھی اور اپنے متوسلین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کرتے تھے اور سرحد کے مجاہدین کے کارنامے لوگوں کو سناتے تھے۔ سلطان عبدالحمید خاں نے آپ کو ہندوستان سے ترکی کی مدد کے سلسلہ میں تمغہ سے نوازا تھا۔[24] ڈپٹی نذیر احمد سے بھی مولانا کے گہرے مراسم تھے۔ اور ان کے خاندان میں شادی کے موقع پر دعوت نامے وہی لکھتے تھے۔[25]

مولانا ناصرالدین کا انتقال ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں ہوا اور کلو کے تکیہ میں مدفون ہیں۔[26]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کے لوحِ مزار پر ایک تاریخی قطعہ لکھا ہوا ہے جس کا آخری شعر یہ ہے

مست از یک لطف نظرِ خدا ایم منصور
در بہشتم نہ کتابے نہ تلے می باید[۲۷]

تصانیف

مولانا ناصر الدین کی بہت سی تصانیف ہیں۔ مگر ان ساری تصنیفات پر مناظرانہ اور داعیانہ رنگ غالب ہے، مولانا بشیر الدین کا یہ بیان کہ صرف "رد نصاریٰ" میں آپ کی تصانیف سو سے کم نہ ہوں گی، ممکن ہے کہ مبالغہ آمیز ہو یا یہ کہ انھوں نے مضامین کو بھی تصانیف کے زمرہ میں شامل کر لیا ہو لیکن یہ درست ہے کہ مولانا کی تصانیف کا رنگ و آہنگ مبلغانہ اور مناظرانہ ہے۔ جن تصانیف کا تذکرہ ملتا ہے ان میں قرآنیات پر حسب ذیل کتابیں قابل ذکر ہیں۔

(۱) تصحیح التاویل بجواب تفسیر مکاشفات از پادری عماد الدین (۲) اعزاز قرآن بجواب اعجاز قرآن مصنفہ ماسٹر رام چند (۳) حرز جان بجواب اصلیت قرآن از عبد اللہ عیسائی (۴) نمونہ تحریف (تصحیح التاویل (۶) تنقیح البیان رد تفسیر القرآن مصنفہ سر سید احمد خاں (۷) تجیل التنزیل۔[۲۸] قرآنیات کے علاوہ لوید جاوید اہم کتاب ہے، اس کے متعلق مولوی بشیر الدین لکھتے ہیں کہ "لوید جاوید وہ کتاب ہے جس میں اب سے قیامت تک جو اعتراضات اسلام پر عقلاً ونقلاً وارد ہو سکتے ہیں سب کا معقول اور مسکت جواب ہے"[۲۹]

مذکورہ کتابوں میں کچھ تو شائع ہو چکی ہیں اور کچھ ابھی تک قلمی ہیں، مولانا امداد صابری نے مطبوعہ کتابوں کی فہرست دیدی ہے۔[۳۰] بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جو اب نایاب ہیں۔

تفسیر تجیل التنزیل

مولانا ناصر الدین نے قرآن کریم کی فارسی زبان میں مفصل تفسیر تجیل التنزیل کے نام سے لکھی ہے، مگر یہ تفسیر مکمل شائع نہیں ہو سکی ہے۔ صرف پہلے دو پاروں کی تفسیر مولانا کے صاحبزادہ مولوی نصرت علی نے اپنے مطبع نصرۃ المطابع دہلی سے شائع کیا تھا، اور یہی مطبوعہ نسخہ راقم کے زیر مطالعہ ہے اور یہ جہاں تک [illegible] کے [illegible] صفحات پر مشتمل ہے۔ قلمی نسخہ کتب خانہ داتا گنج بخش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاہور پاکستان میں موجود ہے۔[۳۱]

مولانا عبدالحئی لکھنوی کا خیال ہے کہ مولانا ناصرالدین نے قرآن کریم کی مکمل تفسیر نہیں لکھی تھی چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

کان تفسیر القرآن الکریم بالاحادیث الصحیحۃ ویصدقھا بآیات التوراۃ و الانجیل ولکنہ لم یتم۔[۳۲]	وہ قرآن کریم کی احادیث صحیحہ کے ذریعہ تفسیر کرتے تھے اور اس کی تصدیق تورات و انجیل کی آیات سے کرتے تھے مگر مکمل نہ کر سکے۔

اس کے برعکس مولوی بشیر الدین دہلوی کا کہنا ہے کہ مولانا نے پورے قرآن کی تفسیر لکھی تھی۔ البتہ پوری تفسیر شائع نہ ہو سکی ان کا کہنا ہے کہ "قرآن مجید کی ایک بسیط تفسیر آپ نے بزبان فارسی ترتیب دی تھی جس کا بہت تھوڑا حصہ چھپا باقی رہ گیا۔[۳۳]

مولانا عبدالحئی کے مقابلہ میں مولانا بشیر الدین دہلوی کا قول زیادہ باوزن اور درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ دہلی کے باشندے تھے اور مولانا ناصرالدین کے حالات و کوائف سے براہِ راست واقفیت رکھتے تھے، اس بیان کی مزید توثیق اس بات سے ہوتی ہے کہ مولانا ناصرالدین نے اس مطبوعہ تفسیر میں جابجا تفسیر کے اگلے غیر مطبوعہ حصہ کا حوالہ دیا ہے اور اس بنیاد پر بعض تفصیلات کو ترک کیا ہے مثلاً سورۂ نسا، سورہ مائدہ، سورۂ رعد، سورۂ جمعہ، اور سورہ صف وغیرہ کی تفسیر کے حوالے اس مطبوعہ تفسیر میں موجود ہیں۔

ممکن ہے کہ غیر مطبوعہ اجزا ابھی کسی ذخیرۂ کتب یا ذاتی مطالعہ گاہوں میں موجود ہوں جن کا ہمیں علم نہیں اگر یہ مکمل تفسیر شائع ہو جاتی تو یقینی طور پر علم تفسیر کی دنیا میں گرانقدر اضافہ ہوتا۔

تجلیل التنزیل کی خصوصیات

یہ تفسیر تین بنیادی خصوصیات کی حامل ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ انہی تین بنیادوں پر پوری تفسیر قائم ہے وہ تین بنیادی خصوصیات کیا ہیں مصنف نے خود ہی بایں الفاظ وضاحت کی ہے:

"سہ امر را ملحوظ داشتہ ام اول اینکہ تفسیر ہر آیۃ از احادیث صحیحہ بلکہ اکثر از صحیحین بر نگاشتہ ام دوم اینکہ آیات کتب الہامیہ سابقہ را در تائید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مر مطالب قرآنی درج ساختہ ام تا اہالی مذاہب دیگر را ہیچ شکے واعتراضے
واز تسلیمش ہیچگونہ اعراضے واغماضے نباشد سوم اینکہ در تفسیر ہرآیہ مسائل
ضروریہ متعلقہ اش راازاحادیث مبرہن کردہ شدہ۔ وصحت حالات تواریخی
وجغرافیہ مقامات ومعانی صحیحہ اسماء ولغات واصل ہرلغت وتوافق محاورات
تمامی کتابہائے خدا باوجود تباین زبانہائے عربی وعبرانی ویونانی وباوصف
تباعد مدتہائے دراز دراوقات نزول آن کتابہا ودیگر مضامین عدیدہ
مشعر معلومات جدیدہ ومطالب مفیدہ کہ ہیچ چشمش مثالش ندیدہ ازصفات مخصوصہ ایں تفسیر است[۳۴]
تین چیزوں کا میں نے (اس تفسیر میں) لحاظ رکھا ہے اول یہ کہ ہر آیت کی تفسیر
صحیح احادیث سے کی ہے بلکہ ان میں سے اکثر صحیحین (بخاری ومسلم) سے لی گئی
ہیں۔ دوسرے یہ کہ گذشتہ الہامی کتابوں کی آیات کو مطالب قرآنی کی تائید
میں درج کیا ہے تاکہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے کو کوئی شک اور اعتراض
اور اسے تسلیم کرنے سے کسی قسم کا اعراض واغماض نہ ہو تیسرے یہ کہ ہر آیت
کی تفسیر کے تحت رونما ہونے والے ضروری مسائل کو احادیث سے مدلل
کیا ہے۔ مقامات کے جغرافیہ اور تاریخی حالات کی صحت اور نام اور زبان کا
صحیح معنی اور ہر لغت کا ماخذ اور جملہ آسمانی کتابوں کے محاورات کا توافق
عربی وعبرانی اور یونانی زبانوں کے اختلاف اور ان کتابوں کے زمانہ نزول
میں طویل مدت کے فاصلہ کے باوجود، اور دوسرے متعدد مضامین جو جدید
معلومات پر نشاندہی کرتے ہیں اور ایسے مفید مطالب کہ کسی آنکھ نے
ان کا مثل نہ دیکھا اس تفسیر کی مخصوص صفات میں سے ہیں۔"

تفسیری روایات

"جیسا کہ مصنف نے خود ہی بیان کیا ہے کہ قیاسی اور موضوع روایات کو اس تفسیر میں
شامل نہیں کیا گیا ہے بلکہ ہر آیت کی تفسیر صحیح احادیث کی روشنی میں کی گئی ہے بلکہ اکثر احادیث
بخاری ومسلم سے ماخوذ ہیں۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس میزان پر تجلیل التنزیل پوری اترتی ہے بلکہ کہنا چاہیئے کہ دوسری مروجہ تفاسیر کے مقابلہ میں یہ تفسیر اس لحاظ سے خاص اہمیت کی حامل ہے، مصنف نے احادیثِ صحیحہ کا التزام کرنے کے ساتھ ساتھ ان روایات کی کمزوریوں کی بھی نشاندہی کی ہے جو بعض آیات کی تفسیر میں بالعموم مفسرین کرام بیان کرتے ہیں۔ اس طرح تفسیروں میں اسرائیلیات و موضوعات کا جو انبار لگ جاتا ہے اس سے بھی یہ تفسیر آگاہ کرتی ہے۔ مثال کے طور پر "فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ" (البقرہ: ۳۷) کی تفسیر میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے حوالہ سے طبرانی، حاکم، بیہقی، ابو نعیم اصفہانی وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے عرش پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تھا اس لئے اپنی دعا میں کہا "اے اللہ میں محمدؐ کے وسیلہ سے تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ میرے گناہ معاف کر دے" اس کی کمزوری بیان کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں کہ

"جب حضرت آدمؑ نے خود ہی عرش پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو ملاحظہ کیا اور ان کے نام کے وسیلہ سے دعا اور التجا کی تو فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ کا کیا محل اور کیا ضرورت باقی رہی۔"[۳۵]

اسی طرح "اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" (البقرہ: ۲۴۸) کی تفسیر کے ضمن میں واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی سے نقل کیا ہے کہ اس صندوق میں تمام انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں اور بعض لوگوں کا یہ قول بیان کیا ہے کہ سکینہ ایک جانور تھا جو بلی کے برابر تھا اس کی آنکھیں بھڑکتے ہوئے شعلے کے مانند تھیں جن کو کوئی دیکھنے کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ اس کے متعلق حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ اس کا چہرہ انسان کے مشابہ تھا اور اس کے دو پیر تھے وہ لڑائی کے وقت صندوق سے باہر نکلتا تھا، اور تیز ہوا کی طرح دشمنوں پر حملہ کرتا تھا اور ان کو منتشر کر دیتا تھا۔

ان روایات کی کمزوری بیان کرتے ہوئے مصنف نے کہا ہے چونکہ قرآن نے سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ کہا ہے اس لئے اگر اس میں بلی تھی تو یہ بھی خدا کی طرف سے ہونی چاہیئے۔ اور حضرت علیؓ نے فرشتوں کا ذکر فرمایا ہوگا جن کے ساتھ عجائب پسندوں نے ان چیزوں کا اضافہ کر دیا۔ کسی بھی نبی کی تصویر اس صندوق میں نقش نہ تھی چہ جائے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سارے انبیاء کی تصویریں ہوں اور یہ صندوق رزم و بزم ہر جگہ بنی اسرائیل کے دلوں کے لئے باعث تسکین تھا۔ کیونکہ اس میں خدا کی کتاب محفوظ کی گئی تھی [۳۶]

مصنف نے آیات کی تفسیر میں صحیح روایات بیان کرنے کا جو التزام کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہر آیت کی تفسیر صحیح حدیث سے کرتے ہیں اور ایسا ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ تفسیر کے باب میں صحیح روایات بہت تھوڑی ہیں۔ امام بخاریؒ نے الجامع الصحیح میں اور امام مسلم نے اس باب میں روایات بیان کی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے الاتقان کے آخری حصہ میں ان روایات کو جمع کرنے کا التزام کیا ہے [۳۷]

اس تکلف سے بچتے ہوئے مصنف نے آیت کے مفہوم میں وسعت تلاش کی ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں میں سے کسی بھی پہلو کو حدیث سے مدلل کیا ہے اس طرح ان کے نزدیک آیت کی تفسیر حدیث سے ہو جاتی ہے گو کہ بالوسطہ ہی سہی مثلاً: اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ: ۲۱) کی تفسیر میں صحیح مسلم کی یہ معروف روایت نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا مفلس شخص وہ ہوگا جو قیامت کے دن روزہ، نماز اور زکوۃ سب کچھ لے کر آئے گا مگر کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر الزام لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا تو اس کی نیکیاں ان کو دے دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں تاوان ادا ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائیں گی تو ان سب کا گناہ اس پر ڈال کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ [۳۸]

بظاہر اس روایت کا مذکورہ آیت سے کوئی تعلق نہیں مگر مصنف نے لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ کے ضمن میں اس لئے ذکر کیا ہے کہ آخرت میں حقوق العباد اور حقوق اللہ کے مواخذہ کا مفہوم اس آیت میں شامل ہے۔

اسی طرح بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البقرہ: ۲۵) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"قرآن مجید میں ہر جگہ اٰمَنُوْا کے ساتھ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ آیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو خصلتوں سے افضل کوئی چیز نہیں۔ ایمان باللہ اور مسلمانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو نفع پہونچانا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یہ فرمایا تھا اور انجیل مرقس ۱۲ ، باب ۳۰ ، ۳۱ میں بعینہ یہی مضمون ہے[۳۹]

بظاہر عملوا الصالحات سے اس حدیث کا تعلق صرف اتنا ہے کہ مسلمانوں کو نفع پہونچانا عمل صالح میں داخل ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی غیر مناسب نہ ہوگا۔ مصنف نے صحیح احادیث کے التزام کا جو دعویٰ کیا ہے اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ مصنف نے ان کتابوں کو نظر انداز کر دیا ہے جن میں صحیح وضعیف ہر قسم کی احادیث شامل ہیں۔ بلکہ مصنف نے ابو نعیم اصفہانی کی حلیۃ الاولیاء اور اس درجہ کی دیگر کتب حدیث کا حوالہ بھی دیا ہے البتہ مصنف نے ان ہی احادیث کو لیا ہے ان کی نظر میں جن کو اعتبار حاصل ہے۔

آسمانی کتابوں سے استدلال

مصنف نے چونکہ ایک طویل عرصہ عیسائیوں کے درمیان گذارا تھا، عیسائی مبلغوں سے مناظرے کئے تھے اور اسلام پر عیسائی حملوں کا جواب بھی دیتے رہتے تھے اس لئے ان کے فکر پر عیسائیت کا ایک خاص تاثر تھا اور یہ تاثر مختلف انداز میں تجلیل التنزیل میں جھلکتا ہے۔ مصنف نے اس تفسیر کی جو تین نمایاں خصوصیات قرار دی ہیں ان میں دوسری خصوصیت سابقہ آسمانی کتابوں سے قرآنی مطالب کی تائید وتشریح بھی ہے۔ چنانچہ ان کا یہ قول بیان کیا جا چکا ہے کہ:

"سابقہ آسمانی کتابوں کی آیات کو قرآنی مطالب کی تائید وتشریح کے بطور پیش کیا گیا ہے تاکہ اہل کتاب اسے تسلیم کر سکیں"

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اس کی نمایاں خصوصیت ہے اور یہ خصوصیت دوسری جملہ خصوصیات پر حاوی اور غالب ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم کی تفسیر سابقہ کتب سماوی کی روشنی میں کی گئی ہے تو غیر مناسب نہ ہوگا[۴۰]۔ چنانچہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ (البقرۃ: ۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"انجیل میں ہے کہ وہ لوگ باطل خیالات میں پڑے ہوئے ہیں ان ناسمجھوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دل تاریک ہو چکے ہیں اور خود کو عقل مند قرار دے کر نادان ہو گئے ہیں اور چونکہ انھوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ خدا کو پہچان کر اسے یاد رکھیں تو خدا تعالیٰ نے بھی ان کو ان کی عقل کی بے تمیزی میں چھوڑ دیا ہے تاکہ نالائق قسم کے کام کریں (صحیفہ بنام رومیاں، ۱، باب ۲۱۔۲۴۔۲۸) اور زبور میں ہے کہ بنی اسرائیل نے مجھے قبول نہ کیا چنانچہ ہم نے ان کو ان کے دل کی سختی میں مبتلا کر دیا (۸۱ زبور ۱۲) یہی مراد ہے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ سے، کلام الٰہی کا یہ طرز استدلال تمام کتب الہامیہ میں موجود ہے۔ چنانچہ صحف انبیاء میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جاؤ اور اس قوم سے کہو کہ تم سنا کرو پر سمجھو نہیں، تم دیکھا کرو پر بوجھو نہیں، تم ان لوگوں کے دلوں کو موٹا کر دو اور ان کے کانوں کو بھاری کر دو اور ان کی آنکھیں بے نور کر دو تا نہ ہو کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اپنے کانوں سے سنیں اور اپنے دلوں سے سمجھ لیں اور باز آئیں اور شفا پائیں۔ (یسعیاہ ۶، باب ۹۔۱۰) اسی طرح انجیل میں ہے کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے اور نہیں سمجھتے۔ (انجیل متی ۱۳ باب ۱۳)۔

اَللّٰہُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ (البقرہ: ۱۵) کے ضمن میں مصنف نے تفسیر حسینی کے مصنف کمال الدین واعظ کاشفی اور تفسیر القرآن کے مصنف سر سید احمد خاں کے اس خیال کا ابطال کیا ہے کہ اللہ کو مستہزی نہیں کہا جا سکتا اور ان دونوں کو الہامی محاورہ سے ناواقف قرار دیتے ہوئے زبور کی یہ عبارت پیش کی ہے "وہ جو آسمان میں تخت نشین ہے ہنستا ہے اور ان لوگوں کے معبودوں کا استہزا کرتا ہے۔

(زبور ۲)

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا (البقرہ ۱۰۶) کے تحت قرآن کریم میں نسخ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"تمام آسمانی کتابوں میں یہ صفت نسخ وغیرہ موجود ہے، چنانچہ توریت کے وہ تمام احکام جو من و سلویٰ کے نزول کے سلسلہ میں اور یوم سبت کے دن توقف کرنے کے سلسلے میں تھے بنی اسرائیل کے کنعان کے حدود میں داخل ہونے کے بعد منسوخ ہو گئے، اور وہ تمام ملکی احکام جو ملک کنعان پر حکومت کرنے کی حالت میں واجب التعمیل تھے جب وہ ملک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنی اسرائیل کے ہاتھ سے چلا گیا واجب التعمیل نہ رہے ۔[۴۳]

قابل غور پہلو یہ ہے کہ مصنف نہ صرف توریت وانجیل کو قرآنی آیات کی تائید وتوثیق کے بطور پیش کرتے ہیں بلکہ ان صحائف کے بیان کو اس حد تک اہمیت دیتے ہیں کہ قرآنی آیات کے مفہوم ومطالب کی اساس بھی بنا لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ توریت وانجیل تحریف وترمیم کا شکار ہوئی ہیں خواہ جس حد تک ہوئی ہوں، لہذا ان کو قرآنی مفاہیم کی تعیین میں اساسی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ چنانچہ یہ پورا باب جو اسرائیلیات کے نام سے معروف ہے بڑی احتیاط کا طالب ہے چونکہ ان کی حفاظت کی ضمانت نہیں اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا تصدقوا ولا تکذبوا" کی معتدل تعلیم عطا فرمائی ہے۔ اور اسی بنا پر قدیم اساطین تفسیر کے یہاں یہ پہلو دبا ہوا نظر آتا ہے اور وہ اسرائیلیات کے رجحان کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔

سامی مذاہب کی تحقیق وتقابل

تجلیل التنزیل میں احادیث صحیحہ اور تورات وانجیل سے استدلال کرنے کے ساتھ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کے عقائد، احکام اور کتب وحالات پر روشنی ڈالنے کا بھی التزام کیا گیا ہے۔ اہل کتاب سے متعلق جس قدر متنوع معلومات مستند عبرانی اور عیسائی حوالوں کے ساتھ اس تفسیر میں ملتی ہیں شاید ہی کسی قدیم وجدید تفسیر میں دستیاب ہوں۔ کہا جاسکتا ہے کہ تجلیل التنزیل قرآن کریم کی ایسی تفسیر ہے جو اہل اسلام اور اہل کتاب کے عقائد واعمال کا تقابلی مطالعہ پیش کرتی ہے اور یہ اس تفسیر کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ مثال کے طور پر وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرۃ: ۳) کے ذیل میں وہ لکھتے ہیں:

"اسرائیلیان میں تین وقت کی نماز کا معمول ہے۔ ایک نماز صبح جسے سحریت کہتے ہیں اور اس کا وقت طلوع صبح صادق سے لے کر آدھے دن کے قریب رہتا ہے اس نماز کی ابتداء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی ہے (سفر اول توریت ۱۵باب ۱) دوسری نماز کا نام منحامی ہے اور اس کا وقت زوال آفتاب سے لے کر شام کے وقت تک ہے اس نماز کی ابتداء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت اسحاق علیہ السلام سے ہوئی ہے (سفر اول توریت ۲۴، باب ۶۳) رات کی نماز کا نام عربیت ہے جس کی ابتدا حضرت یعقوب علیہ السلام سے ہوئی ہے (سفر اول توریت ۲۸ باب ۱۰ تا ۱۲) اور اس کا وقت پوری رات ہے اور ہر نماز میں زبور کا پڑھنا واجب سمجھا گیا ہے۔ خاص طور پر ایک زبور سوا اڑتالیس کو۔"

اسی طرح وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ (البقرہ ۲: ۸) کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

"توریت کے زمانہ نزول میں اسلام کی دعوت صرف یہ تھی کہ خدائے واحد پر محکم ایمان لاؤ اور آخرت کا تذکرہ صراحتاً نہیں تھا، اس لئے اس زمانہ میں طریقۂ عبادات کی تعلیم اور معاملات کی اصلاح کو مقدم سمجھا جاتا تھا اس کے بعد صحفِ انبیاء میں تھوڑا تھوڑا حالات آخرت کی وضاحت ہوئی اور اس کی زیادہ وضاحت انجیل میں بالخصوص اس کے آخری صحیفہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس عہد میں مذہب کی دعوت اس طور پر رائج ہوئی کہ ایمان لاؤ خدا پر اور یومِ آخرت پر۔" (اعمال، خواریان ۲۳ باب ۱۵، ۲۴، ۲ باب ۱۵)

۳۲۴ء میں قسطنطنیہ کے بانی قیصر قسطنطین نے ایک مجلس منعقد کی اور اس میں حضرت عیسی علیہ السلام کی الوہیت اور توحید میں تثلیث کا عقیدہ قائم ہوا۔ اس جگہ قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ تمام اہل کتاب میں اولاً یہود خدا پرستی میں ممتاز ہوئے مگر آخرت کے حالات سے ناواقف رہے اور تمام اہل کتاب میں نصاریٰ امور آخرت سے واقفیت میں ممتاز ہوئے مگر خدا پرستی کے معاملہ میں جو کہ توحید میں منحصر ہے، نامکمل رہے۔ بالآخر دین اسلام جو خدا پرستوں کا آخری مذہب ہے دنیا میں رائج ہوا اور علمِ توحید اور علمِ آخرت میں سب پر سبقت لے گیا۔ دونوں فرقے یعنی یہود و نصاری کو عقیدہ توحید کی تعلیم اور امورِ آخرت کی تلقین کے معاملہ میں مسلمانوں سے ہدایت حاصل کرنے کا محتاج بنایا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ ۲: ۱۴۳)

حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ابن اللہ کہے جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"ابتدا میں الفاظ کی کمی کے سبب سے لوگ خدا کو "اب" یعنی باپ کہتے تھے۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد جب آسمانی کتابیں ان کی زبان اور محاورہ پر نازل ہوئیں تو سمجھنے میں آسانی کی وجہ سے اور اظہار شفقت کے لیے "ابن" کا لفظ بارگاہ الٰہی کے مقربین کے لیے استعمال ہوا اور اس سے مراد محض ان کی مقبولیت کی علامت کا اظہار تھا چنانچہ انجیل میں ہے کہ:

"جو لوگ روح حق کی ہدایت کے مطابق چلتے ہیں وہ خدا کے بیٹے ہیں۔" (صحیفہ بنام رومیان، ۸، باب ۱۴) اور وہ مخصوصانِ الٰہی جن کے حق میں ابن کا لفظ استعمال ہوا وہ کلام کے اس منشا، کو بخوبی سمجھتے تھے، اور اسی لیے وہ کبھی یہ گمان نہیں کرتے تھے کہ ہم خدا کے بیٹے۔ بلکہ لفظ ابن کے خطاب سے اللہ کا جلال و جبروت اور زیادہ ان کے دل میں جاگزیں ہوتا تھا[۴۶]

موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے دو لڑنے والوں میں فیصلہ کرتے وقت جو قبطی مارا گیا تھا اس کا تذکرہ قرآن کی (سورہ قصص) میں موجود ہے اور توریت میں بھی، ان دونوں کا تقابل کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں کہ:

"سورہ قصص سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے روز بھی لڑنے والے مخالف قومیت کے تھے یعنی ایک قبطی دوسرا اسرائیلی تھا۔ مگر توریت میں دو مرد عبرانی کا ذکر ہے، اس جملہ کو ان الفاظ کے ساتھ پڑھنا چاہیے کہ عبرانی و قبطی دو مرد لڑ رہے تھے اگرچہ لفظ قبطی اس آیت میں کسی وجہ سے چھوٹ گیا ہے اور نقل نویسوں نے کلام الٰہی کے ادب کی وجہ سے انہی الفاظ میں نقل کر دیا ہے تاکہ اپنی طرف سے تصرف واقع نہ ہو۔"[۴۷]

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ (البقرہ: ۵۷) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"توریت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا کہ ان چالیس سالوں میں تمہارے کپڑے بوسیدہ نہ ہوئے اور تمہارے پاؤں آماس نہ ہوئے۔" (سفر استثنا، ۸، باب ۴) یہ وہ علامت تھی جو سچ مچ مسلم ہے۔ بروایت ابی ہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ غمزدہ نہ ہوگا، نہ اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے۔ اور نہ اس کی جوانی فنا ہوگی، نیز توریت میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اس سرزمین میں پہونچاؤں گا جہاں دودھ اور شہد موج مار رہے ہوں گے۔ (سفر خروج ۱۳، باب ۵) اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بروایت ترمذی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں پانی، دودھ، شہد اور شراب کے دریا ہوں گے[۴۸]

مصنف نے تحقیق و تقابل کے ساتھ عیسائیوں کے ان عقائد اور خیالات کی اصلاح بھی کی ہے جو توریت کی عبارتوں سے غلط نتیجہ اخذ کرنے پر مبنی ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیت ۳۹ کی تفسیر ملاحظہ کیجیے[۴۹]

قرآن پر نصاریٰ کے اعتراضات کا جواب

تجلیل التنزیل میں بکثرت اہل کتاب بالخصوص عیسائی پادری اور مبلغوں کے قرآن کریم کی آیات، زبان اور مضامین پر اعتراضات نقل کیے گئے ہیں پھر ان اعتراضات کے عقل و نقل کے ساتھ توریت و انجیل کی روشنی میں مدلل و مسکت جوابات دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر کرتے ہوئے مصنف نے ایک عیسائی پادری کی کتاب ہدایت المسلمین (مطبوعہ لاہور ۱۸۹۸ء) کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ "رحیم ادنی ہے اور رحمان اعلیٰ اور فصحائے عرب ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے ہیں جب کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کی خلاف ورزی ہے۔"

اس اعتراض کے جواب میں علامہ ناصر الدین لکھتے ہیں کہ:

"معترض کلام الٰہی کے محاورات سے باخبر نہیں ہے انجیل میں مذکور ہے کہ جو شخص اچھی طرح زمین میں بویا گیا ہے وہ وہی ہے جو کلام الٰہی کو سنتا اور سمجھتا ہے اور پھل لاتا ہے، کوئی سو گنا پھلتا ہے کوئی ساٹھ گنا، کوئی تیس گنا (انجیل متی ۱۳، باب ۲۳) کیا یہ ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے یا اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف، نیز انجیل میں ہے کہ میں نے نگاہ کی تو اس تخت اور ان جانداروں اور بزرگوں کے گرداگرد بہت سے فرشتوں کی آواز سنی جن کا شمار کروڑوں اور لاکھوں تھا۔ (مکاشفات ۵، باب ۱۱)

فصحائے عرب مدح کے مقام میں مبالغہ کے لئے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے ہیں نہ کہ حقیقت واقعہ کے بیان میں، اور اللہ تعالیٰ جیسا کہ وہ ہے کوئی اس کی تعریف نہیں کر سکتا چہ جائیکہ اس کے اوصاف کے بیان میں کوئی مبالغہ کیا جائے۔ اس اعتبار سے پہلے دنیاوی زندگی میں اس کی رحمت و تکریم کا تذکرہ لازم ہوا بمقابلہ اس کی اس رحمت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو دنیا/آخرت میں واقع ہوگی۔ اور حال کو مستقبل پر صریح تقدم حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ رحمٰن خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ بخلاف لفظ رحیم کے۔ وہ خالق و مخلوق دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اسم ذات کے ساتھ وہی صفت موزوں تر تھی جو باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ تیسرے یہ کہ بسم اللہ میں اللہ تعالیٰ کے تین ناموں کا تذکرہ ہے یعنی اللہ، رحمٰن، رحیم، اللہ اسم ذات ہے، رحمٰن بمنزلہ اسم ذات ہے اور رحیم اسم صفت ہے اور ہر صفت کے لئے ذات کا تقدم بدیہیات میں سے ہے۔ اس کے ترتیبی معنی اس طرح ہوں گے۔

"ازل سے پرستش کے لائق ابد تک تمام مخلوقات کو روزی کا دینے والا اور آخرت میں نیکوکاروں کو بخشنے والا۔ اس سے زیادہ تفصیل میری کتاب عقوبۃ الضالین بجواب ھدایت المسلمین میں دیکھنی چاہیے"[۵۰]

حروف مقطعات کی تفسیر کے ضمن میں مصنف نے لکھا ہے کہ:

"بہت سے اہل کتاب نے ان حروف پر اعتراض کیا ہے کہ جب کسی کو ان کے صحیح معنی معلوم نہیں ہیں تو ان حروف کو قرآن میں لکھنے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟" اس کا جواب یہ ہے کہ میں حکمت الٰہی کے راز سے واقف نہیں ہوں مگر اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ زبور میں چند آیات کے بعد اسی شکل میں ایک لفظ آتا ہے "سلاہ" یہ لفظ زبور میں ۷۳ مرتبہ اور حضرت حبقوق کے صحیفہ میں جو کہ توریت کے مجموعہ میں شامل ہے تین مرتبہ پایا جاتا ہے، اس کا مراد اس طرح مقرر کیا گیا ہے کہ اس سنجیدہ بیان پر پوری طرح غور کرنے کے بعد بھی اس کا لغوی معنی تین ہزار سال گزرنے کے باوجود اب تک کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔[۵۱] اس سلسلے میں مزید وضاحت کے لئے:

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا (البقرۃ: ۱۳۷) کی تفسیر ملاحظہ ہو۔[۵۲]

آسمانی کتابوں میں تحریف کی نوعیت

قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اہل کتاب نے آسمانی کتابوں میں اپنی خواہش کے مطابق تحریف کی ہے مگر یہ تحریف کس نوعیت کی ہے یہ تحقیق طلب مسئلہ ہے۔ کیا یہ تحریف لفظی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے یا معنوی یا لفظاً و معنیً دونوں اعتبار سے تحریف کی گئی ہے؟ مصنف تجیل التنزیل نے جابجا اس پر گفتگو کی ہے۔

مصنف نے ان مصنفین پر سخت تنقید کی ہے جو توریت و انجیل کو اصل نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ:

"جن محققین نے توریت و انجیل میں تحریف کے ثبوت میں کتابیں لکھی ہیں انھوں نے مسلمانوں کے بجائے اہل کتاب کو متاثر کرنے کے لئے ان کتابوں کی تشہیر کی ہے، مسلمانوں کو ان کتابوں سے صرف اتنا فائدہ ہے کہ وہ ان کے ذریعہ اہل کتاب سے مناظرہ کریں بس۔ یہ لوگ لفظ تحریف سے سمجھتے ہیں کہ اگر اصل کتاب موجود نہ ہوتی تو تحریف کس چیز میں ہوتی۔ کیونکہ کسی بھی جعلی کتاب میں تحریف کی حاجت نہیں ہوتی، اور اگر یہ تمام کتب مقدسہ موجود ہیں ان کی کیا وقعت باقی رہے گی، حالانکہ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے شواہد نبوت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ثبوت رسالت میں بہت سی بشارتیں توریت و انجیل اور صحف انبیاء سے نقل کی ہیں اور اکثر مصنفین اسلام کا یہی معمول رہا ہے۔"[۵۳]

مصنف نہ صرف آسمانی کتابوں کو اصلی مانتے ہیں بلکہ وہ قرآنی آیات سے استدلال بھی کرتے ہیں مثلاً وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (البقرۃ: ۲۲۱) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

"یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور یہود و نصاریٰ سے رشتہ داری اور مناکحت روا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے مشرک نہیں قرار دیا ہے اس لئے کہ وہ کتبِ الٰہیہ کو پڑھتے ہیں۔ اگر یہ کتابیں بغیر تبدیلی کے اصلی حالت پر نہ ہوتیں تو ان کے پڑھنے والے کیوں اس شرف سے ممتاز ہوتے کہ ان سے رشتہ داری اور مناکحت جائز قرار دی گئی۔"[۵۴]

مصنف کی نظر میں توریت و انجیل میں تحریف معنوی نوعیت کی ہوئی ہے، یعنی یہ تحریف ترجمہ معانی اور تعبیر و تشریح سے تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"مفسرین اسلام نے یہودیوں پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ انھوں نے حضرت موسیٰ کے عہد میں کلام اللہ میں تحریف کی، جب کہ اس عہد میں کس کی مجال تھی کہ توریت میں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حرف بھی کم یا زیادہ کرتا۔ اس جگہ 'یحرفونہ' کا اصل مطلب اور تحریف کی صحیح کیفیت واضح ہوتی ہے کہ تحریف سے مراد معنوی تحریف ہے اور قرآن مجید میں لفظ تحریف اسی معنی میں استعمال ہوا ہے کہ یہود مسلمانوں اور عیسائیوں کے سلسلہ کی بعض آیات کی غلط تاویل کرکے تحریف کرتے ہیں نہ یہ کہ متن کتاب میں کوئی حرف کم یا زیادہ کرتے ہیں۔[۵۵]

اس سلسلہ میں انھوں نے امام رازیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے اقوال کو بطور ثبوت پیش کیا ہے۔ مثلاً قَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ (البقرہ: ۷۵) کی تفسیر کرتے ہوئے الفوز الکبیر سے شاہ ولی اللہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "جہاں تک تحریف کا سوال ہے تو وہ ترجمہ اور ان کی امثال میں کرتے تھے نہ کہ اصل توریت میں"۔ نیز امام رازیؒ کی تفسیر کبیر سے یہ اقتباس پیش کیا ہے کہ "تحریف کا مطلب تاویل باطل بھی ہوسکتا ہے اور تبدیلی لفظ بھی اور جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ پہلی بات زیادہ درست ہے کیونکہ تواتر کے ساتھ نقل کی گئی کتابوں میں لفظ کی تبدیلی نہیں ہوسکتی"۔[۵۶]

مصنف نے ایک جگہ علامہ سیوطی کی تفسیر الدر المنثور سے وہب بن منبہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ توریت و انجیل کو اللہ تعالیٰ نے جیسا نازل کیا ہے اس میں ایک بھی حرف کی تبدیلی نہیں ہوئی، لیکن اہل کتاب لوگوں کو تحریف و تاویل اور ان کتابوں کے ذریعہ گمراہ کرتے ہیں جن کو خود لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے"۔[۵۷]

مصنف نے آسمانی کتابوں میں تحریف معنوی کو تسلیم کرنے کے ساتھ تحریف لفظی کو بھی فی الجملہ تسلیم کیا ہے۔ اگرچہ یہ تحریف ان کی نظر میں ایسی نہیں جس کے باعث توریت و انجیل کو ساقط الاعتبار کہا جائے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"اہل کتاب سے مناظرہ کی کتابوں میں محققین نصاریٰ کے حوالوں سے میں لکھ چکا ہوں کہ تحریف لفظی بھی توریت و انجیل میں ہوئی ہے۔ خواہ وہ کاتبوں کی غلطی سے ہوئی ہو یا خدا ناترسوں کی شرارت سے۔ لیکن اس مقدار کی نہیں کہ یہ مقدس کتابیں لائق اعتبار ہی نہ رہی ہوں جب کہ تمام قصے، احکامات، قوانین، ہدایات اور بشارات حق کا تذکرہ قرآن میں ان کتب مقدسہ کے حوالے سے کیا گیا ہے یا ان کتابوں میں ان کی موجودگی بتائی گئی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ سب ان کتابوں میں موجود ہیں یہاں تک کہ بہت سی جگہوں پر الفاظ کی بھی مطابقت پائی جاتی ہے۔"[58]

اہل کتاب کی تاریخ اور جغرافیہ

اس تفسیر میں اہل کتاب کی تاریخ اور قرآن کے تاریخی مقامات اور ان کے جغرافیہ کی عربی، عبرانی و فارسی کی مستند کتب سے تفسیر بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ان میں بیشتر ماخذ وہ ہیں جو خود یہود و نصاریٰ کے نزدیک اہم شمار کیے جاتے ہیں۔

"وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (البقرۃ: ۴۹) کے ضمن میں مصنف نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پوری سرگزشت، قرآن، بائبل، دبستان مذاہب، لغاتِ بائبل، تاریخ یوسف اور عیسائیوں کی دیگر کتب کے حوالہ سے بیان کی ہے (۳۷-۴۰)

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (البقرۃ: ۶۱) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ (بنی اسرائیل نے) زکریا، یحییٰ، اور یسعیاہ جیسے نبیوں کو قتل کیا لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے نہیں بلکہ ہیرودوٹس بادشاہ ادومی نے قتل کیا تھا (تواریخ کلیسا مطبوعہ ۱۸۵۶ء ص ۸۹) اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ بخت نصر نے حضرت یحییٰؑ کے قاتلین سے انتقام لیا، یہ بھی صراحتاً غلط ہے کیونکہ بخت نصر حضرت یحییٰؑ سے چھ سو سال قبل تھا۔[59]

اسی طرح طور سینا کا جغرافیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"سینا کا پہاڑ جزیرہ نمائے عرب کے ایک ملک میں واقع ہے اس کی ایک جانب بحر قلزم اور دوسری جانب خلیج اقابہ (عقبہ) ہے۔ اس جزیرہ کے درمیان میں ایک کوہستانی سلسلہ ہے جو مغربی طرف چلا گیا ہے اہل عرب اس کو الطائی کہتے ہیں، اس سلسلہ کوہستان کے جنوب اور اس کے عین وسط میں بہت سے پہاڑ ہیں اس سے سینا حوریب اور فاران ملحق ہیں لیکن یہ پہاڑ الطائی کوہستان سے ملے ہوئے نہیں ہیں اور باہم ممتاز ہیں کیونکہ ان کے درمیان ریگستانی وادی حائل ہے اور الطائی کے مقابلہ میں یہ پہاڑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ بلند ہیں اور ان کا طول و عرض بیس کروہ سے کم نہ ہوگا۔[۶۰]

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ (البقرہ:۵۸) کی تفسیر کرتے ہیں کہ:

"اس گاؤں کا نام یریحو تھا، یہ بیت المقدس کے شمال مشرق میں بیس میل اور اودیرون سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اس کے متصل قوزتینہ کا پہاڑ ہے جس پر حضرت عیسیٰؑ چالیس روز تک صائم ہے۔"[۶۱]

قرآنی اصطلاحات اور اعلام کی تحقیق

مصنف نے حسبِ ضرورت قرآن کے الفاظ و اصطلاحات اور اعلام کی تحقیق کی ہے، اور ان کے عربی، عبرانی، فارسی، سنسکرت اور یونانی وغیرہ مآخذ کی نشاندہی کی ہے، ان اصطلاحات کے معاملہ میں جن کا تعلق غیر عربی زبان سے ہے یعنی معرب الفاظ کے سلسلہ میں مصنف کو امتیاز حاصل ہے۔ مثلاً لفظ آدم جو قرآن میں بار بار آتا ہے اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

"آدم عبرانی لفظ ہے جس کے معنی سرخ مٹی کے ہیں۔ چنانچہ ادوم سرخ کو کہتے ہیں۔ توریت میں ہے کہ اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔"[۶۲]

حوا کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ:

"جب اللہ نے آدم کے پہلو کی ہڈی سے حوا کو پیدا کیا اور آدم کے سامنے پیش کیا تو آدم نے کہا کہ اس ہڈی کا جماں میری ہڈی جیسا ہے اور اس کا گوشت میرا گوشت ہوگا اس وجہ سے اسے نسا، کہا گیا کیونکہ وہ انسان سے لی گئی ہے۔ اس وقت تک آدم کی عورت نام نسا رہی تھا اسے حوا نہیں کہا گیا تھا کیونکہ ابھی توالد و تناسل کا سلسلہ نہیں ہوا تھا اور عرف میں زندوں کی ماں کو حوا کہا جاتا ہے۔"[۶۳]

ابراہیم، یعقوب اور اسرائیل کی تحقیق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"چونکہ حضرت یعقوب اور حضرت عیص توأم (جڑواں) پیدا ہوئے تھے۔ پہلے حضرت عیص پھر حضرت یعقوب اس طرح کہ حضرت یعقوب کا ہاتھ حضرت عیص کے تلوے پر تھا اس لئے ان کا نام یعقوب یعنی تعاقب کرنے والا رکھا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت ابراہیمؑ کو پہلے ابرام کہا جاتا تھا یعنی پدرِ اعلیٰ، اور جس وقت اللہ نے حضرت سارہ کے بطن سے لڑکا عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا اس وقت ان کو ابرہام سے موسوم کیا یعنی گروہ عظیم کا باپ جس کا معرب ابراہیم ہے۔

جس رات حضرت یعقوبؑ امتحان میں کامل اترے ان کو اسرائیل سے موسوم کیا اسرا کے معنی شاہزادہ اسی طرح سارہ بمعنی شاہزادی اور ئیل کے معنی خدا [۴۴]

فرعون کی تحقیق اس طرح کی ہے:

اس زمانہ میں مصر کے بادشاہوں کو فرعون کہا جاتا تھا، چنانچہ دس فرعون حکمراں ہوئے۔ پہلا فرعون حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں تھا، اور آخری فرعون یہودی بادشاہ صدقیاہ کے عہد میں گذرا۔ فرعون اول کا نام سلتیس اور آخری فرعون کا نام اپریئیس تھا۔ اس کے بعد فرعون کا لقب شاہانِ مصر نے ترک کر دیا۔ اور فرعون کے معنی انتقام لینے والا، مگرمچھ، اور آفتاب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں دو فرعون گزرے ایک وہ جس کے عہد میں موسیٰؑ کے ہاتھ سے قبطی مارا گیا دوسرا وہ جسے آپ نے اللہ کا پیغام پہونچایا۔[۴۵] دیگر محققین نے بھی حضرت موسیٰؑ کے عہد میں دو فرعون کا وجود تسلیم کیا ہے، مگر وہ اول کا نام رعمسیس دوم اور ثانی کا منفتاح بتاتے ہیں۔ جو مصنف کے ذکر کردہ نام سے مختلف ہے۔ عہد موسیٰؑ میں دو فرعونوں کا ذکر خود توریت، کتاب، باب ۲ آیت ۲۳ میں بھی موجود ہے۔ مگر بعض معاصر مصنفین نے بدلائل ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ عہدِ موسیٰؑ میں دو نہیں بلکہ ایک ہی فرعون گذرا ہے[۴۶]

نصاریٰ کی تحقیق کرتے ہیں:

اکثر انبیاء علیہ السلام کے نام قرآن مجید میں معرب ہیں۔ چنا ابرہام کو ابراہیم، اضحاک کو اسحاق، عزرا کو عزیر، یوحنا کو یحییٰ، یسوع کو عیسیٰ اور ساول کو طالوت کہا گیا ہے چونکہ حضرت عیسیٰؑ کا وطن ناصرہ تھا جو ملک کنعان میں تھا اس لحاظ سے عیسیٰؑ کو ناصری اور ان کی امت کو نصاریٰ اور نصرانی کہا گیا ہے۔[۴۷]

فردوس کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"فردوس زمانہ قدیم میں ایران کے مشرقی سمت میں شاہی باغ تھا، جسے فارسی میں بردوس کہا جاتا تھا۔ فردوس اسی کا معرب ہے یہ لفظ سنسکرت میں پردیشا ہے اور یونانی میں پروائز ہے اور اس کے معنی ان تمام زبانوں میں میوہ سے بھرا ہوا باغ ہے،[79] (یہی لفظ انگریزی میں Paradise ہوگیا ہے)" اسی طرح انھوں نے جہنم کی وجہ تسمیہ بھی بیان کی ہے۔[80]

فقہی مسائل

جن آیات سے فقہی احکام مستنبط ہوتے ہیں ان کی تفسیر مصنف نے خاصی شرح و بسط کے ساتھ کی ہے اور متعلقہ فقہی جزئیات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، ان احکام سے متعلق احادیث و آثار اور فقہا کے اقوال کو جمع کیا ہے۔ توریت و انجیل سے استشہاد بھی کیا ہے۔

مثلاً: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (البقرۃ:۲۱۹) کی تفسیر کرتے ہوئے حرمت خمر کے سلسلہ میں واردجملہ احادیث کو درج کیا ہے جو حضرات عمرؓ، علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابو سعید خدریؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور سائب بن یزیدؓ وغیرہم سے مروی ہیں۔

شراب نوشی کی سزا کے سلسلہ میں آثار صحابہؓ اور فقہاؒ کے مختلف اقوال نقل کئے ہیں گو کہ مصنف نے کسی بھی قول یا روایت کو ترجیح نہیں دی ہے مگر توریت و انجیل کے اقتباسات درج کئے ہیں۔ جن میں شراب نوشی کی سزا چالیس کوڑے بتائی گئی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کی نظر میں شراب نوشی کی یہی سزا ہے۔[81]

مذکورہ آیت کے ذیل میں مصنف نے ایک نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ شراب اور جوا کا گناہ یکساں نہیں ہے کیونکہ شراب پہلے مباح تھی اس کے بعد چند اسباب کی بنا، پر حرام کی گئی۔ لیکن جوا کبھی حلال نہ تھا اور روئے زمین کی تمام اقوام خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم جوا کو قبیح اور قابلِ نفرت چیز سمجھتی تھیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے میسر کو خمر کے بعد ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ شرب خمر گناہ ہے اور قمار بازی اس سے بڑا گناہ اور ان دونوں جرائم کا مرتکب جرم عظیم میں مبتلا ہوجاتا ہے کیونکہ شرب خمر کا نقصان لازم ہے اور قمار بازی کا ضرر متعدی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ شرب خمر تنہائی میں چھپ کر ممکن ہے اور قمار بازی بغیر اجتماع کے ممکن نہیں [۲۲]

کلامی اور فلسفیانہ مسائل

مصنف نے قرآن کی آیات سے فلسفہ اور علم کلام کے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ مثلاً فلسفہ، سائنس کا یہ مسئلہ کہ زمین متحرک ہے یا ساکن؟ مولانا نے قرآنی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔

"فلاسفہ یونان کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ زمین متحرک ہے یا ساکن؟ لیکن قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلۡاَرۡضِ ائۡتِيَا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا قَالَتَاۤ اَتَيۡنَا طَآئِعِيۡنَ (حم سجد: ۱۱)

چونکہ آنا بغیر رفتار کے نہیں ہو سکتا اس لئے آسمان و زمین دونوں کی حرکت ثابت ہے [۲۳]

حرکت زمین پر اس آیت سے استدلال نہایت معنی خیز ہے۔ ہمارے بعض معاصر علماء مثلاً عبداللہ بن باز، ریاض، سعودی عرب، نے قرآن کی آیت جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا (النمل: ۶۱) سے ثابت کیا ہے کہ زمین ساکن ہے اور اس کو متحرک کہنے والے پر کفر لازم کیا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب الشمس جاریۃ والارض ثابتۃ میں اس مسئلہ پر پوری بحث کی ہے۔ حالانکہ قرار کا مطلب یہاں مایستقر بہ الشئ ہے۔

جو لوگ اس دنیا کو قدیم مانتے ہیں ان کی تردید کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

"سابقہ الہامی کتابوں میں جنت و جہنم کے حالات اس تفصیل سے مذکور نہیں ہیں جس طرح قرآن مجید میں ہیں۔ اور یہ دلیل ان فرقوں کے عقائد کے ابطال کے لئے کافی ہے۔ جو اس عالم کو قدیم کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ دنیا جسے ہم دیکھتے ہیں اگر قدیم ہوتی تو معلومات کی ترقی کے وسائل جو آخر زمانہ میں پیدا ہوئے، ابتداء ہی میں ظہور میں آجاتے" [۲۴]

نظریہ وحدۃ الوجود کے آغاز سے متعلق مؤلف نے دبستان مذاہب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"جب فرعون نے اصحاب ... کو ... تو ... بات ... عوام ... معلوم ہوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مصریوں میں اضطراب پیدا ہوا، اس لئے وزیروں نے عوامی غم و غصہ کو فرو کرنے کے لئے لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ ہر انسان کا مادہ خدا کی ذات ہے اور خدائی کا دعویٰ فرعون کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، اسی زمانہ سے لوگوں میں وحدت الوجود کا نظریہ رائج ہوا۔[۴۵]

مصنف عہدِ فرعون کے لئے دبستانِ مذاہب کا حوالہ دیا ہے حالانکہ یہ صرف چند صدی پہلے کی کتاب ہے نیز اس کا بہت زیادہ علمی اعتبار بھی نہیں ہے۔

اہل کتاب کے حالات کا علماءِ اسلام پر انطباق

علامہ ناصر الدین اسلام کی اشاعت میں جس قدر سرگرم تھے اسی قدر ان کو علماء امت کے باہمی افتراق وانتشار اور دنیا طلبی سے تکلیف ہوتی تھی۔ وہ علماء کے باہمی نزاع کو یہود و نصاریٰ کے نزاع سے تشبیہ دیتے تھے۔ اس تفسیر میں جا بجا انھوں نے علماء بنی اسرائیل کے حالات کا علماء اسلام پر انطباق کیا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ (البقرۃ: ۱۱۳) کی تفسیر کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ:

"مفسرین لکھتے ہیں کہ نجران کے عیسائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آئے تو یہود بھی یہ خبر سن کر حاضر ہوئے اور دونوں گروہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مناظرہ کیا اور ایک دوسرے کی توہین اور ان کے مذاہب کا ابطال کیا۔ یہ دیکھ کر مشرکین بولے کہ یہ دونوں فرقے باطل پر ہیں اس صورت حال سے نبی کریمؐ کو سخت تکلیف ہوئی ——

اس جگہ ان مسلمانوں کے لئے کمال عبرت ہے جو بے ہودہ اور لاطائل مسائل میں باہم نزاع کر کے دوسرے غیر مسلموں کی نظر میں دینِ محمدی کی تحقیر کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ملال خاطر کا سبب بنتے ہیں۔ ایسے مولوی حضرات قیامت کے دن یہود و نصاریٰ ہی کی طرح اپنی اس بداعمالی کی سزا پائیں گے۔"[۴۶]

وَلَا تَشْتَرُوا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (البقرۃ: ۴۱) کی تفسیر کرتے ہوئے شاہ عبدالعزیز کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"ہر چند کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے لئے نصیحت ہے مگر درحقیقت اس میں امت مسلمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے چند فرقوں کی سرزنش ہے جو آیات الٰہی کے بدلے تھوڑی قیمت لیتے ہیں اور اس نعمت کو برباد کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر بن الخطابؓ یہ اور اس کے مانند آیات کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ "بنی اسرائیل گذر گئے اب ان آیات کو تمہارے علاوہ کوئی نہیں سن رہا ہے" یہ گروہ جن کی سرزنش مطلوب ہے یہ ہیں:

پہلا گروہ علما بد قماش کا ہے جو ظالموں اور دنیا داروں سے اختلاط رکھتا ہے۔ اور ان کی لذتوں اور شہوتوں اور ان کے مظالم کو صحیح قرار دینے کے لئے نادر قسم کی روایات نکال کر لاتا ہے۔

دوسرا گروہ رشوت خور قاضی اور بے باک مفتیوں کا ہے جو رشوت کے لئے حکم شرع بدل دیتا ہے۔

تیسرا گروہ ظالم بادشاہوں اور بے انصاف امیروں کا ہے جو مظلوموں کو انصاف نہیں دیتا۔

چوتھا گروہ وزیروں اور دفتری ملازموں کا ہے جو رعایا اور کاشتکار سے خراج وصول کرنے اور مال حاصل کرنے میں خوف آخرت دل میں نہیں رکھتا۔

پانچواں گروہ دنیا طلب معلموں اور لالچی واعظوں کا ہے جو احکام الٰہی کی تعلیم اور وعظ ونصیحت کے لئے دنیا کی چیزوں کی درخواست کرتا ہے اور نہ ملنے کی صورت میں سختی اور ترش روئی کا مظاہرہ کرتا ہے[۵۵]

قدیم و معاصر مفسرین پر تنقید

اس تفسیر میں مصنف نے جا بجا قدیم و معاصر مفسرین سے اختلاف کیا ہے، ان کی آراء پر نقد کیا ہے اور دلیل کے ساتھ ان کی کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے۔

مصنف نے کہیں تو نام کی صراحت کے ساتھ دیگر مفسرین پر نقد کیا ہے اور کہیں نام کی صراحت کے بغیر عمومی طور پر نقد کیا ہے۔ چنانچہ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ (البقرہ ۱۲۵) کے ضمن میں لکھا ہے:

"مفسرین نے کعبہ کے بیان میں عجیب وغریب روایات بیان کی ہیں کہ آسمان پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرشتوں کی ایک جائے طواف تھی اور زمین کے نیچے ساتویں طبقہ میں اس کے بالمقابل بنیاد رکھ کر اس پر طواف گاہ کو رکھا گیا۔ فاکہی نے تاریخ مکہ اول میں ایک حدیث نقل کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ کعبہ کو وسط زمین میں بنایا گیا۔ جب ان روایات کی کسی بھی آسمانی کتاب میں نشانی نہیں ہے تو ان راویوں کو کہاں سے معلوم ہوا کہ فلاں فلاں واقعہ رونما ہوا۔ اور اگر کعبہ کی عمارت کرۂ ارض کے وسط میں ہوتی تو یقیناً وسط حقیقی یعنی خط استوا پر واقع ہوتی حالانکہ وہ خط استوا سے بیس۲۲ درجہ جانب شمال میں واقع ہے۔ نیز آباد زمین کے بیچ میں بھی نہیں ہے کیونکہ نہ تو اقلیم دوم ہے اور نہ درجہ چہارم، حیران ہوں کہ فضیلت کعبہ یا فضیلت اسلام کے صحیح اور معتبر دلائل کیا کم تھے کہ اس کا انحصار بے بنیاد روایتوں پر کر لیا گیا۔ اس ناجائز تدبیر سے اسلام کو جو نقصان ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگ جب ذرا سے غور وفکر سے ان روایات کا بے اصل ہونا معلوم کر لیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ دین اسلام کی انہی مصنوعی چیزوں پر بنیاد ہے۔ نیز جب اس طرح کی غلط روایات نے بکثرت شہرت پالیا تو اسلام کے صحیح اور اصلی فضائل لوگوں کے دلوں سے محو ہو گئے اور محققین کو جھوٹ کے اس انبار میں صحیح روایات کی تحقیق کرنا سخت مشکل ہو گیا۔"[۶۷]

اس ضمن میں انھوں نے ابو نعیم اصفہانی، ارزقی، اور ابن عساکر وغیرہم کی اس بات پر گرفت ہے کہ بنی اسرائیل کے لاکھوں لوگ خانہ کعبہ حج کے لئے آتے، اور یہاں پہنچ کر برہنہ ہو جاتے۔ اور یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی خانہ کعبہ حج کے لئے آتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری بھی آئے تھے۔ مصنف کی نظر میں یہ بیانات خلاف واقعہ ہیں، کیونکہ بنی اسرائیل کے لئے بیت المقدس کافی تھا۔ اور حضرت موسیٰؑ اور حواریین عیسیٰؑ کا خانہ کعبہ آنا ثابت نہیں ہے۔[۶۹]

مصنف نے خصوصیت کے ساتھ سر سید احمد خاں کی تفسیر قرآن پر تنقید کی ہے اور ہر جگہ سر سید کو نیچری کے لفظ سے یاد کیا ہے بلکہ اس لقب کے استعمال کی وجہ بھی بیان کی ہے، علامہ ناصر الدین کی ایک مستقل کتاب بعنوان "تنقیح البیان بجواب تفسیر القرآن" سر سید کی تفسیر قرآن کی تردید میں شائع ہو چکی ہے، اس کے باوجود انھوں نے تجلیل التنزیل میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرسید کا تعاقب کیا ہے۔ اور تفسیر قرآن کے علاوہ سرسید کی دوسری کتابوں مثلاً تبئین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام وغیرہ پر نقد کیا ہے۔ مثال کے طور پر حروف مقطعات کی تفسیر کے ذیل میں سرسید پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"صاحب تفسیر القرآن نیچری نے اپنی عجب عقل مندی ظاہر کی ہے کہ الٓمٓ کو سورہ بقرہ کا نام کہدیا ہے اس قیاس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر وہ سورہ جس کے آغاز میں الٓمٓ واقع ہے اس کا نام سورہ بقرہ ہو، زبور میں ہے کہ اے خدا نہ میرا قلب بلند اور میری آنکھیں رفیع نہیں ہیں تیرے عظیم وعجیب افعال میں اپنے منصب سے مداخلت نہیں کروں گا۔" (۱۳۱ زبور ۱)[۸۰]

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ٥

(البقرۃ: ۳۰) کے ضمن میں سرسید پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"نیچری تفسیر القرآن میں ملائکہ کے وجود کا انکار کیا ہے اور اس نص کو محض فرضی بیان قرار دیا ہے لہذا ناظرین کو چاہیے کہ تنقیح البیان جو کہ تفسیر القرآن (مولفہ سرسید احمد خاں) کا جواب ہے ملاحظہ فرمائیں کیونکہ اس تفسیر میں ان بحثوں کو لکھنے کی گنجائش نہیں ہے مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں میں خواہ وہ توریت ہو، انجیل ہو، صحف انبیاء ہوں یا قرآن حتی کہ آتش پرستوں کی کتاب ژند اور دوسرے مذاہب میں فرشتوں کا تذکرہ بصراحت موجود ہے اس لئے اس سے زیادہ ملائکہ کے وجود کی کیا سند ہوگی مگر منکرین کو بجز ان کے دماغ کے خبط کے کوئی دلیل نہیں ہے۔"[۸۱]

ایک جگہ سرسید اور عیسائی پادری دونوں پر نقد کیا ہے۔ اس ضمن میں فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ (البقرۃ: ۵۵) کی تفسیر ملاحظہ ہو:[۸۲]

سرسید پر تنقید کرنے کے ساتھ مصنف نے سرسید کی بعض کتابوں سے استفادہ بھی کیا ہے اور ان کے مندرجات کو تجیل التنزیل میں حوالہ اور استناد کے طور پر پیش کیا ہے۔
چنانچہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ذیل میں وہ جب یہ بحث کرتے ہیں کہ دوسری الہامی کتابوں میں بسم اللہ موجود ہے کہ نہیں وہاں وہ لکھتے ہیں کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"نزول قرآن کے بعد جب اہلِ کتاب نے اس کے شروع میں بسم اللہ دیکھا تو انجیل کے آغاز میں بھی بسم اللہ لکھدیا بعض نے انہی الفاظ کے ساتھ اور بعض نے ایک دو لفظ کی تبدیلی کے ساتھ۔ چنانچہ تبیین الکلام نیچری، جو کہ توریت کی چند آیات کی تفسیر ہے مصنف نے نویں مقدمہ کے صفحہ ۲۵۳ پر لکھا ہے انجیل کے عربی ترجمہ میں جو کہ قدیم قلمی نسخہ ہے، ہر انجیل کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہے اور نصرت المطابع میں انجیل کے عربی ترجمہ کا نہایت قدیم قلمی نسخہ ہے اس میں بھی ہر انجیل کے سرے پر بسم اللہ لکھا ہوا ہے۔"

مآخذ تفسیر

اس تفسیر کے بنیادی مآخذ احادیث اور توریت و انجیل ہیں، کتب حدیث میں صحاح ستہ کے علاوہ، موطا امام مالک، مستدرک حاکم، مسند دیلمی، سنن دارمی، بیہقی، مسند امام احمد بن حنبل، معجم طبرانی اور تاریخ ابن عساکر اور حلیۃ الاولیا، مولفہ ابو نعیم اصفہانی کی روایات نقل کی گئی ہیں۔ توریت و انجیل کے علاوہ ان کی تفسیروں، لغات اور کتب تاریخ سے بھرپور مدد لی گئی ہے۔ مثلاً فقہ مذہب نصاری، تفسیر زبور مولفہ پادری یوسف، لغت کتاب مقدس تحقیق دینِ حق، مفتاح الکتاب، تواریخ کلیسا، ترجمہ قرآن و حاشیہ علما نصاریٰ، تاریخ یوسف اور مقامات معروف کے اقتباسات اور حوالے جا بجا ملتے ہیں۔ قرآن کریم کی جن تفسیروں سے استشہاد اور استفادہ کیا گیا ہے اور ان کے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں، ان میں قاضی بیضاوی کی انوار التنزیل، شیخ دہائی کی تبصیر الرحمٰن، امام رازی کی تفسیر کبیر، امام نسفی کی مدارک التنزیل، کمال الدین حسینی واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی، شاہ ولی اللہ دہلوی کی فتح الرحمٰن، شاہ عبدالعزیز کی فتح العزیز اور شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان تفسیروں میں فتح العزیز اور تفسیر حسینی کے اقتباسات زیادہ پائے جاتے ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں، درمختار، شرح وقایہ، تحفۃ الاخیار وغیرہ کے حوالے ملتے ہیں۔ دوسری کتابوں میں دبستان مذاہب، مولانا عبدالرحمٰن جامی کی شواہد نبوت، حاجی محمد زماں خاں شہید کی خیر المواعظ اور سرسید احمد خاں کی تفسیر اور تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام کے حوالے دستیاب ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتابوں کے حوالے ملتے ہیں۔ مگر یہ ساری کتابیں اولین مآخذ کی نہیں بلکہ بعض ثانوی درجہ کی ہیں اور بعض ان کے معاصرین کی جن کا معیار اور وزن محقق ہیں۔

حوالہ جات

۱ امداد صابری، دہلی کی یادگار ہستیاں، دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۱۵۷، فرنگیوں کا جال، دہلی ۱۹۴۹ء ص ۲۶۱۔

۲ امام المناظر کا لقب اس عہد کے نامور علما، یعنی مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند اور شمس العلما سید نذیر حسین صاحب نے دیا تھا۔ دیکھئے دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۶۰، بشیر الدین واقعات دار الحکومت دہلی، اردو اکاڈمی، دہلی ۲/۱۷۴۔

۳ رحمان علی، تذکرہ علما، ہند، اردو ترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء، ص ۵۰۷، نیز ملاحظہ ہو دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۵۷، واقعات دار الحکومت، دہلی ۲/۲۱۶۔

۴ تذکرہ علما، ہند، ص ۵۰۷، ناصر الدین ابو المنصور، تجیل التنزیل، نصرۃ المطابع دہلی، ص ۲

۵ ایضاً

۶ دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۵۷، واقعات دار الحکومت، دہلی ۲/۱۷۴

۷ تذکرہ علما، ہند، ص ۵۰۷، دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۵۷، نیز دیکھئے فرنگیوں کا جال، ص ۲۶۱

۸ سید نصرت علی اور سید ناصر علی کے حالات کے لئے دیکھئے واقعات دار الحکومت دہلی ۲/۲۱۶-۲۱۹ نیز ملاحظہ ہو فرنگیوں کا جال، ص ۲۶۳

۹ فرنگیوں کا جال، ص ۲۶۱، واقعات دار الحکومت دہلی، ۲/۱۶۴

۱۱-۱۲ دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۵۷، نیز دیکھئے واقعات دار الحکومت دہلی، ۲/۲۱۷ فرنگیوں کا جال، ۱۶۱

۱۳ ایضا

۱۴ واقعہ میلہ خدا شناسی، مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۱۲ھ ص ۱۸

۱۵ واقعات دار الحکومت دہلی ۲/۱۷۴، دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۵۹، ۱۵۸ فرنگیوں کا جال ص ۲۶۱

۱۶ واقعات دار الحکومت دہلی ۲/۲۱۷

۱۷ دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۵۸، فرنگیوں کا جال ص ۲۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸ فرنگیوں کا جال، ص ۲۶۲۔ ۱۹ واقعات دارالحکومت دہلی ۲/۴۱۷

۲۰ ایضاً ۲۱ فرنگیوں کا جال، ص ۲۶۲

۲۲ ایضاً، نیز دیکھئے دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۵۸

۲۳ واقعات دارالحکومت دہلی، ۲/۴۱۸

۲۴ فرنگیوں کا جال، ص ۲۶۳، دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۶۰

۲۵ ایضاً ص ۱۵۹، فرنگیوں کا جال، ص ۲۶۲

۲۶ واقعات دارالحکومت، دہلی ۲/۴۱۸، تذکرہ علماء ہند ص ۵۰۷

۲۷ دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۶۰ ۲۸ کتابوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے تذکرہ علماء ہند ص ۵۰۸، واقعات دارالحکومت دہلی ۲/۴۱۸، فرنگیوں کا جال، ص ۲۶۴-۲۶۵

۲۹ واقعات دارالحکومت دہلی ۲/۴۱۸ ۳۰ فرنگیوں کا جال ص ۲۶۴-۲۶۵

۳۱ فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان ۱/۱۶

۳۲ عبدالحیٔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، حیدرآباد ۱۹۸۱ء، ۸/۴۸۷

۳۳ واقعات دارالحکومت دہلی ۲/۴۱۷ ۳۴ تجلیل التنزیل ص ۲

۳۵ ایضاً ص ۲۶ ۳۶ ایضاً

۳۷ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، بیروت، باب ۷۹

۳۸ تجلیل التنزیل ص ۱۴ ۳۹ ایضاً ص ۱۶

۴۰ اس خصوصیت کی حامل کم ہی تفسیریں لکھی گئیں، ایران کے شیعہ عالم آغا محمد جواد بلاغی کی آلاء الرحمٰن نامکمل اور ہندوستان میں مولانا حمیدالدین فراہیؒ کی تفسیر نظام القرآن نامکمل، پاکستان میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفہیم القرآن اور مولانا امین احسن اصلاحی کی تدبر قرآن میں کسی حد تک اس رجحان کی نمائندگی ہوتی ہے۔

۴۱ تجلیل التنزیل ص ۱۰ ۴۲ ایضاً ص ۱۲

۴۳ ایضاً ص ۷، ۸ ۴۴ ایضاً ص ۸

۴۵ ایضاً ص ۱ ۴۶ ایضاً ص ۳۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۷ ایضاً ص ۲۹

۴۸ ایضاً ص ۴۴

۴۹ ایضاً ص ۲۵

۵۰ ایضاً ص ۳

۵۱ ایضاً ص ۷

۵۲ ایضاً ص ۹۵

۵۳ ایضاً ص ۱۸

۵۴ ایضاً ص ۱۸۵

۵۵ ایضاً ص ۵۹

۵۶ ایضاً

۵۷ ایضاً ص ۶۱-۶۰

۵۸ ایضاً ص ۵۹

۵۹ ایضاً ص ۵۰

۶۰ ایضاً ص ۴۲

۶۱ ایضاً ص ۴۵

۶۲ ایضاً ص ۲۰

۶۳ ایضاً ص ۲۴

۶۴ ایضاً ص ۲۷

۶۵ ایضاً ص ۳۷

۶۶ دیکھیے موریس بوکائے، بائبل، قرآن اور سائنس، علی گڑھ ۱۹۸۲ء ص ۹-۳۰۸

۶۷ عبدالرحمٰن مومن، قصہ فرعون و موسیٰ، نئی دہلی ۱۹۲۹ء، ص ۴۸

۶۸ تجلیل التنزیل، ص ۵۱-۵۰

۶۹ ایضاً ص ۶۳

۷۰ ایضاً ص ۶۲

۷۱ ایضاً ص ۱۸۰

۷۲ ایضاً ص ۱۸۲

۷۳ ایضاً ص ۲۰

۷۴ ایضاً ص ۱۶

۷۵ ایضاً ص ۲۷

۷۶ ایضاً ص ۸۰

۷۷ ایضاً ص ۳۲

۷۸ ایضاً ص ۸۹-۸۸

۷۹ ایضاً ص ۸۹

۸۰ ایضاً ص ۳

۸۱ ایضاً ص ۲۱

۸۲ ایضاً ص ۴۳

۸۳ ایضاً ص ۴-۳

© rasailojaraid.com